فواد بیگ

روایتِ متن کا تعین

روایتِ متن کے تعین کے لیے قلمی نسخوں کی اہمیت مسلم ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر ایک ہی مخطوطے کے کئی قلمی نسخے ہوں تو روایتِ متن کا تعین کیسے کیا جائے؟

اگر ایک ہی مخطوطے کے دو قلمی نسخے ملتے ہوں تو ایسی صورت میں ایک کو بنیادی نسخہ بنایا جائے گا اور دوسرا مقابلے کے کام آئے گا۔لیکن یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنیادی نسخہ کون سا ہوگا؟ اس مسئلے پر ہم بعد میں غور کریں گے۔ پہلے ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ کسی مخطوطے کے متعدد قلمی نسخے دستیاب ہیں۔ اس صورت میں ہم سب سے پہلے ان نسخوں کی درجہ بندی کریں گے۔ قلمی نسخوں کی پانچ اقسام ہیں۔

۱۔ وہ قلمی نسخے جو مصنف کے خطی نسخے ہوں کیونکہ مصنف کی اصلی روایت یا اس کے صحیح متن تک پہنچنے کا سب سے قابل وثوق ذریعہ اس کی اپنی تحریر ہی ہوسکتی ہے۔ بشرطے کہ اس کی قرأت وسند ممکن ہو۔

۲۔ وہ قلمی نسخے جو یا تو مصنف کی زیرِنگرانی تیار ہوئے ہوں یا اس کی نظر سے گزر چکے ہوں یا اس میں مصنف کے اضافے، اصلاحیں، مہر یا دستخط موجود ہوں۔

۳۔ وہ قلمی نسخے جنھیں مصنف کے کسی دوست، عزیز یا قریبی شخص نے مرتب کیا ہو۔ جیسے ''کلیاتِ ذوق'' کی ترتیب کے معاملے میں محمد حسین آزاد (شاگردِ ذوق)

۴۔ وہ قلمی نسخے جو خاص اہتمام سے تیار کیے گئے ہوں یا انہیں کسی اعلیٰ شخصیت کو پیش کیا گیا ہو۔ایسے نسخوں میں صحتِ متن اور درستی تسوید کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

۵۔ وہ قلمی نسخے جو مذکورہ خصوصیات کے حامل بے شک نہ ہوں لیکن قلمی ہونے کی حیثیت سے ان کی افادیت مسلم ہو۔ ان میں بھی قدیم ترین اور خوشخط ترین نسخے کو لائقِ ترجیح سمجھنا چاہیے۔ قدیم ترین نسخے کے بعد وہ نسخہ زیادہ اہم ہوگا جو نسبتاً زیادہ جامع اور مکمل ہوگا بشرطےکہ اس کی استنادی حیثیت میں اشتباہ نہ ہو۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے نزدیک اگر کسی متن کے متعدد نسخے موجود ہوں تو ان سے حسبِ ضرورت استفادہ کیا جاسکتا ہے لیکن صرف اہم اور قدیم نسخے ہی متن کی اساس بنائے جاسکتے ہیں۔[1] اس کے برعکس اگر قلمی نسخوں کی کمی ہے تو جو نسخہ بھی دریافت یا دستیاب ہوگا، وہی اساسی نوعیت کا حامل سمجھا جائے گا۔

مالک رام نے پرانی کتب کے مرتب کرنے کے جو اصول وضع کیے ہیں ان کے مطابق اگر (مصنف کا) دستخطی نسخہ نہ مل سکے تو وہ قدیم قلمی نسخہ جو مصنف کے زمانے سے قریب ترین ہو، متن قرار پائے گا۔[2]

مالک رام کی طرح اکثر متنی نقاد اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بنیادی نسخہ قرار دینے کے لیے قدیم ترین نسخہ قابلِ ترجیح ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان کے خیال میں قدیم ترین نسخہ مصنف کے متن سے قریب ترین ہوتا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے اس اصول سے اختلاف کیا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ مثال پیش کی ہے۔

فرض کیجیے ہمیں جو دو نسخے ملے ہیں ان کی پوری تاریخ بھی معلوم ہوگئی جو حسبِ ذیل ہیں۔

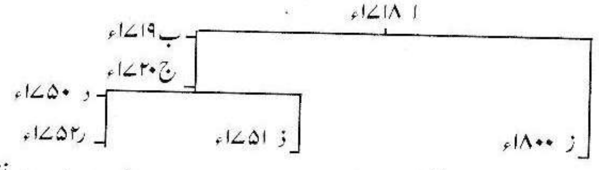

الف۔ مصنف کا ذاتی نسخہ ہے جس سے ب، ج، د، ذ، ر اور ز مختلف زمانوں میں نقل ہوتے رہے ہیں۔ ان میں تمام نسخے ضائع ہو چکے ہیں اور صرف نسخہ ''ر'' اور ''ز'' ہم تک پہنچے

ہیں۔ قدیم نسخے کو بنیادی نسخہ بنانے والے حضرات ''ر'' کو ترجیح دیں گے۔ جب کہ ''ز'' اور ''الف'' کے بیچ میں تین نسخے ہیں۔ اب اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ہر کاتب نے دو فیصدی غلطیاں کی ہیں تو نسخہ ''ر'' میں آٹھ اور ''ز'' میں دو فی صدی غلطیاں ہوں گی۔ ایسی صورت میں نسخہ ''ز'' اگر جدید تر ہے تو بھی مصنف سے قریب تر ہے۔ اس لیے ہم ''ز'' کو بنیادی نسخہ بنائیں گے۔ اگر متنی ناقد کو یہ علم نہ ہو کہ اس کے اور مصنف کے اصل نسخے کے درمیان کتنے نسخے رہے ہیں تو پھر بنیادی نسخہ وہ ہوگا جو اس کی تحقیق اور تیاری کے مطابق مصنف کے متن سے قریب تر ہوگا۔ اس سلسلے میں مصنف کے ہم عصروں اور اس کی اپنی دیگر تصنیفات کا مطالعہ ضروری ہوگا۔[3]

اگر کسی مخطوطے کے دو سے زیادہ نسخے پیشِ نظر ہوں اور سب کے سب مصنف کے دستخطی ہوں تو اس صورت میں سب سے آخری نسخے کو ہی بنیادی نسخہ بنایا جائے گا۔ لیکن مختلف زمانوں میں ملنے والے متعدد قلمی نسخوں کی دستیابی کی صورت میں سب سے پہلے نسخوں کا خاندان مرتب کرنا ہوگا۔ اگر ''ذ'' نسخہ ''ب'' سے اور ''ب'' نسخہ ''الف'' سے نقل ہوا ہے تو یہ سب نسخے ایک خاندان کے ذیل میں آئیں گے، لیکن یہ معلوم کرنا مشکل کام ہے کہ کون سا نسخہ ضروری ہے۔ مثلاً اگر کسی کاتب نے اپنے طور پر نسخے میں کوئی اضافہ کردیا ہے یا کچھ عبارتیں حذف کردی ہیں یا کچھ قرائتیں غلط کر گئی ہیں تو یقیناً نقل شدہ نسخے میں بھی یہ اغلاط موجود ہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض نسخوں پر مقامی اثرات اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ مثلاً شمالی ہند کا کوئی نسخہ جنوبی ہند جائے تو اس بات کا امکان ہے کہ وہاں کا کاتب اصل الفاظ کی بجائے بعض مقامی الفاظ یا محاورات لکھ جائے۔ اب جن نسخوں میں یہ مقامی الفاظ ملیں گے ان کا ایک خاندان مرتب ہوگا۔ اسی طرح اگر کاتب سے کچھ عبارتیں آگے پیچھے ہوگئی ہیں تو اس سے نقل شدہ نسخے میں بھی یہ خصوصیت اسی طرح سے ملے گی۔ ان سب نسخوں کا ایک خاندان مرتب ہوگا۔ اب فرض کیجیے کہ ہم نے یہ خاندان کر لیے ہیں۔ اس میں ''الف'' نسخہ موجود نہیں اور اس تک ہم کو پہنچنا ہے۔ اس کے لیے ایک چارٹ مرتب کیا جائے گا۔

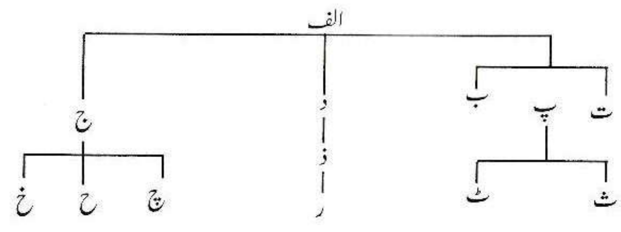

اب ''ث'' اور ''ٹ'' میں سے ایک نسخہ کو بنیادی نسخہ مان کر دوسرے سے مقابلہ کیا جائے گا۔ پھر ''ت'' اور ''پ'' اور ''ب'' میں سے ایک کو بنیادی نسخہ مان کر باقی سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اب ہمارے پاس دو نسخے آ جائیں گے (یعنی دونوں طرف موازنے سے) ان میں سے ایک کو بنیادی نسخہ مان کر دوسرے کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا۔ اس طرح اس خاندان کا آخری نسخہ تیار ہو جائے گا۔ لیکن ابھی دو خاندان اور باقی ہیں یعنی ''د''، ''ذ''، ''ر'' اور ''ج''، ''چ''، ''ح''، ''خ''۔ ان دونوں خاندانوں سے سابقہ طریقے سے دو نسخے تیار ہو جائیں گے۔ اب ہمارے پاس تین نسخے ہو گئے۔ اب پھر وہی عمل دہرایا جائے گا یعنی ان میں سے ایک کو بنیادی نسخہ مان کر باقی کے ساتھ موازنہ کرنا ہوگا۔

اگر مصنف کا دستخطی نسخہ اور اس کے ساتھ دیگر نسخے بھی ملتے ہوں تو دستخطی نسخے کو چھوڑ کر باقی کے ساتھ بھی موازنے کا وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا اور پھر مصنف کے نسخے کو بنیادی نسخہ بنا کر تیار شدہ نسخے سے مقابلہ کیا جائے گا۔ اگر مصنف کے دستخطی نسخے ایک سے زیادہ دستیاب ہوں تو ان کو ایک خاندان تصور کر کے موازنے کا سابقہ طریقہ اختیار کر کے ایک نسخہ تیار کیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے نسخوں پر بھی اسی طریقے سے کام ہوگا۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ ہمیں بہت سے نسخے دستیاب ہیں۔ لیکن ان میں سے کچھ نسخوں کا خاندان بنایا جا سکتا ہے، کچھ کا نہیں۔ اس صورت میں جن نسخوں کا خاندان نہیں بنایا جا سکتا، ان سب کا ایک خاندان بنا کر موازنے کا وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر متعدد نسخے دستیاب ہوں لیکن ان کا ایک بھی خاندان نہ بنایا جا سکے تو سب

سے معتبر اور مصنف کے نسخے سے قریب تر نسخے کو بنیادی نسخہ بنا کر ایک ایک کر کے باقی تمام نسخوں سے موازنہ کرنا ہوگا۔

چند امور ایسے ہیں جن کا تعلق مختلف قلمی نسخوں کے معتبر یا غیر معتبر ہونے یا ان کی درجہ بندی کے ساتھ نہیں۔ ان کا تعلق متنی ناقد کے مبلغ علم اور تحقیقی بصیرت کے ساتھ ہو مثلاً ترتیبِ متن میں ایک بڑا مسئلہ سہوِ کتابت کو سمجھنے یا نہ سمجھنے کا ہے اور اس کی نشان دہی ضروری ہے۔ اس کے حق میں قرائن موجود ہوں، تب ہی اسے اختلافِ متن کا درجہ دینا چاہیے۔ بعض مرتبین، کتابت کی واضح غلطی کو بھی، کذا، کے تحت اختلافِ متن میں داخل کر لیتے ہیں اس سے تصحیح متن کی پیچیدگیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ترتیب متن کی ایک آسان صورت یہ اختیار کر لی گئی ہے۔ (خاص طور پر دواوین کی ترتیب کے سلسلے میں) کہ ایک نسخے کو بنیاد بنا کر روایت متن میں اس کو شروع سے آخر تک پیش کر دیا جاتا ہے اور دوسرے نسخوں میں شامل کلام کو ضمیمے کے تحت درج کر دیا جاتا ہے۔ ترتیب کے اس طریقے میں یقیناً بعض آسانیاں موجود ہیں لیکن معتبر صورت یہ ہے کہ معتبر اور غیر معتبر حصۂ کلام کی تدوین الگ الگ کی جائے۔ مقدمۂ کتاب میں اس کی وضاحت کے ساتھ ساتھ حواشی میں ماخذ سے آگاہ کیا جائے۔ اس طرح سے متعدد نسخوں یا کسی ایک قلمی نسخے سے جو اضافہ سامنے آیا ہے اسے متن میں شامل رکھا جائے، الگ نہ کیا جائے۔ البتہ اس بات سے قاری کو ضرور آگاہ کیا جائے کہ نو دریافت حصہ کس قدر ہے۔

ترتیبِ متن کے سلسلے میں ہم نے یہاں جو بنیادی باتیں عرض کی ہیں ان باتوں کا خیال بھی اس صورت میں رکھا جانا چاہیے، جب کسی کتاب کے ایک سے زیادہ قلمی نسخے دستیاب ہوں اور روایتِ متن کا تعین کیا جانا مقصود ہو۔

یہاں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ تحقیقِ متن میں جن امور کو مدنظر رکھا جانا چاہیے، کیا ان کا اطلاق کیا گیا ہے؟ پہلے حصے میں ہم نے ترتیبِ متن کے معاملات سے متعلق جو بحث کی ہے ان کا اطلاق ضروری نہیں کہ ہر جگہ یکساں ہو۔ اس لیے کہ تحقیقِ متن کی حدود، ترتیبِ متن کے امور سے کہیں کہیں مختلف بھی ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر رشید حسن خاں نے ''باغ و بہار'' مطبوعہ

نقوش پبلشرز، لاہور، طبع اول ۱۹۹۲ء مرتب کرتے ہوئے انڈیا آفس لائبریری لندن کے صرف ایک خطی نسخے (۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء) کو روایتِ متن کے تعین کے لیے برتا ہے۔ جو میر امن کا خطی نسخہ نہیں، خود رشید حسن خاں کے مطابق ترقیمہ سے خالی یہ نسخہ مصنف کے ہاتھ کی تحریر بھی نہیں اور بعض مقامات پر اس نسخے میں متن کی ایسی غلطیاں بھی دکھائی دیتی ہیں جو اس نسخے کو کم سواد ظاہر کرتی ہیں۔ اس موقع پر رشید حسن خاں نے موازنے کے لیے گل کرسٹ کا مرتب کردہ ''ہندی مینول'' (اپریل ۱۸۰۲ء) برتا۔ یہ طریقۂ کار کسی محقق کے تحقیقی گھمنڈ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اور اس کی حقیقت ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اپنی مرتب کردہ ''باغ و بہار'' مطبوعہ: اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع اول: ۲۰۰۴ء میں بیان کر دی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ رشید حسن خاں روایتِ متن کے تعین کے لیے تنویر احمد علوی کے طے کردہ اصولوں کی پابندی کرتے۔

تحقیقِ متن کے سلسلے میں جو امور اساسی اہمیت رکھتے ہیں وہ یہ ہیں:

الف۔ متن کی ہیئت (حدود) کا تعین۔

ب۔ الحاق و اضافات کی نشان دہی جس کے ذیل میں تصرفات کا مطالعہ بھی آتا ہے۔

ج۔ متن کے گمشدہ سلسلوں کی بازیافت۔

د۔ متنی حقائق کی جستجو اور چھان بین۔

درجِ بالا امور کی وضاحت کی بجائے ہم براہِ راست سوال کے دوسرے حصے پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم نے چنا ہے۔ ''کلیاتِ ذوق'' (۴) مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں ان امور کا خیال رکھا گیا ہے جن کا بیان اوپر ہوا؟ نیز یہ کہ ہم ترتیبِ متن کی حدود کو دھیان میں رکھتے ہوئے بھی اس کتاب کا جائزہ پیش کریں گے۔

''دیوانِ ذوق'' کو مرتب کرتے ہوئے ایک آسان صورت یہ تھی کہ ذوق کے سب سے قدیم نسخے (یعنی دیوانِ ذوق، نسخہ ویران و ظہیر، انور) کو مرتب کر دیا جاتا اور دیگر نسخوں (مثلاً نسخۂ آزاد) میں موجود اضافی کلام کو ضمیمے کی شکل دے دی جاتی لیکن تنویر احمد علوی نے ذوق کے

تمام کلام کو تحقیق و ترتیبِ متن کے اصولوں کے مطابق نئے سرے سے ترتیب دیا ہے اور اس کے لیے ممکنہ حد تک مستند مواد سے کام لیا گیا ہے۔ جس تک رسائی ممکن تھی۔ یوں اس مرتب شدہ ''کلیاتِ ذوق'' کی ترتیب، ''نسخۂ ویراں'' اور ''نسخۂ آزاد'' سے مختلف ہوگئی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دینی چاہیے کہ اس سے قبل ذوق کے جس قدر نسخہ ہائے دیوان، مجموعہ ہائے اشعار یا انتخابات شائع ہوئے، بہ استثنائے نگارستانِ سخن، سب کے سب، ''نسخۂ ویراں'' یا ''نسخۂ آزاد'' پر مبنی ہیں، یا ان سے منتخب و ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے مختلف مآخذات میں دستیاب کلامِ ذوق کی تقسیم تین حصوں میں کر دی ہے۔ پہلے حصے میں وہ تمام کلام شامل ہے، جس کی تصدیق مسوداتِ ذوق، بیاض، دیگر قلمی مآخذات، ذوق کے ہم عہد تذکروں، قدیم دواوین اور دیگر مآخذات سے ہوتی ہے۔ محمد حسین آزاد کی روایت (ایک دو جگہوں کے استثنا کی ساتھ) اس میں شامل نہیں ہے۔ دوسرے حصے میں آزاد کے نسخے میں شامل وہ تمام غزلیں، قصائد اور اشعار ہیں جو صرف مولانا آزاد کے مرتب کردہ دیوان میں ملتے ہیں اور کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ تیسرے حصے میں ذوق کا فارسی کلام شامل ہے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے کلیاتِ ذوق کو ترتیب دیتے وقت مختلف غزلوں اور قصائد میں اشعار کی ترتیب وہی رکھی ہے جو نسبتاً زیادہ قدیم اور مستند مآخذات میں ملتی ہے۔ جو اشعار کسی خاص مآخذ میں نہیں ملتے، لیکن دوسرے مستند مآخذات میں موجود ہیں انہیں اس کے بعد درج کیا گیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں اس سے انحراف بھی کیا گیا ہے۔ مطلع یا مقطع البتہ اپنی جگہ پر رکھے گئے ہیں۔ (ذوق کے بعض مسودوں میں کہیں مطلع اور کہیں مقطع غزل کے درمیان میں بھی آیا ہے)، اسی طرح ایک دو قصیدوں کے مسودوں میں مدحیہ اشعار پہلے اور تمہیدی اشعار اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔ ان کی ترتیب بھی اس کلیات میں بدل دی گئی ہے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے ''کلیاتِ ذوق'' کی ترتیب میں بھی تصحیح و تعینِ متن کے سلسلے میں زیادہ قدیم اور مستند مآخذات کو ترجیح دی ہے اور ذوق کی اپنی روایت کو بہر حال مرجح سمجھا ہے اور اس کے مقابلے میں کسی دوسرے نسخے کو صرف اس حالت میں لائق ترجیح سمجھا ہے جب کہ اس

میں نمایاں طور پر زبان، خیال یا بندش کے اعتبار سے زیادہ چستی اور درستی نظر آئی ہے۔ اس ضمن میں اختیار تمیزی سے کام لینے کے سوا، کوئی اور معیار مقرر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ باقی نسخوں کے اختلافات، حواشی میں دے دیے گئے ہیں۔ ذوق نے اپنے بعض مسودوں میں خود بھی اصلاحیں کی ہیں اور مختلف اشعار اور مصرعوں کو ایک سے زیادہ مرتبہ بدلا ہے، اس لیے تنویر احمد علوی نے متن میں زیادہ تر آخری صورت کو ترجیح دی ہے۔ باقی اصلاحات کی وضاحت اور ابتدائی صورت کی نشان دہی حواشی میں کر دی گئی ہے۔

ذوق کے یہاں املا کی بعض قدیم صورتیں بھی ملتی ہیں۔ انہوں نے اپنے مسودوں میں ''میں نے'' کو ''مینے'' اور ''اس سے'' کو ''اسے'' لکھا ہے، اسی طرح وہ ''مجھ کو'' اور ''مجھے'' کی جگہ ''مجکو'' اور ''مجے'' لکھتے ہیں۔ ان کے تمام قدیم مآخذات میں ''اس'' اور ''ان'' کی جگہ ''اوس'' اور ''اون'' لکھا ہوا ملتا ہے۔ ''کلیاتِ ذوق'' کے زیرِ نظر نسخے میں متن میں اس کی پیروی نہیں کی گئی اور املا کے موجودہ اور مروّجہ طریقے ہی کو ترجیح دی گئی ہے اس کے ساتھ املا کی وہ غلطیاں جو کاتب کی غلط بخشی کا نتیجہ ہیں، متن میں درست کر دی گئی ہیں۔ یہ غلطیاں اس صورت میں باقی رکھی جا سکتی تھیں جب متن کی بنیاد کسی ایک نسخے پر ہوتی، البتہ جہاں شعر یا مصرعے کی قرأت میں اشتباہی صورت موجود ہے، وہاں اصولِ تحقیق کی پیروی کرتے ہوئے قوسین میں ''کذا'' لکھ دیا گیا ہے۔ مسودے یا کسی قدیم مآخذ میں جس حصۂ شعر کی قرأت ممکن نہیں تھی وہاں نقطے (......) دے دیے گئے ہیں۔ جو الفاظ کسی شعر میں بڑھائے گئے ہیں انہیں قوسین [()] میں دیا گیا ہے۔

مقدمے میں جو معاملات زیرِ بحث آئے ہیں ان میں ذوق کا آغازِ شعر گوئی، ذوق کی قدرتِ سخن، ترتیب و تدوینِ دیوان کی جانب ذوق کا اندازِ تغافل اور اس کے اسباب و علل، ''نسخۂ ویران'' نگارستانِ سخن اور محمد حسین آزاد کی روایت شامل ہے اور ذوق کے اپنے مسوّدات اور دوسری تحریروں کی مدد سے اس کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد کلامِ ذوق کے قلمی اور مطبوعہ مآخذات کا تعارف شامل ہے جس میں اُس دور کے اخبار بھی شامل ہیں، خاص طور پر ذوق کے دوست اور مولانا آزاد کے والد مولوی محمد باقر کا ''دہلی اردو اخبار'' کیونکہ مولوی محمد باقر

کو کلامِ ذوق کی حفاظت اور اشاعت سے خاص شغف تھا۔ ان مآخذات میں سے ملنے والے ذوق کے اشعار کی وضاحت حواشی میں موجود ہے اور آخر میں ذوق کے نایاب اشعار کی نشان دہی کے لیے ان کی فہرست بہ اعتبار حروفِ تہجی پیش کی گئی ہے۔ ذوق کے اس نایاب کلام میں وہ حصۂ کلام شامل ہے جو اس وقت تک غیر مطبوعہ تھا اور اس میں ان کا تقریباً تمام فارسی کلام شامل ہے۔ اس کے علاوہ ذوق کا وہ کلام بھی اس میں شامل ہے جو تذکروں اور انتخابات میں شائع ہو چکا ہے لیکن اُن کے کسی دیوان میں نہیں ملتا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حصۂ کلام جو محمد حسین آزاد کے مرتب کردہ دیوان میں شامل ہے لیکن بہ قلمِ ذوق اس کا مسوّدہ نسخۂ آزاد سے مختلف ہے اس سلسلے میں ضروری وضاحتیں مقدمے میں کر دی گئی ہیں۔

متن کے بعد تفصیلی حواشی ہیں اور اس کے بعد دو ضمیمے شامل کیے گئے ہیں۔ پہلے ضمیمے میں ''نسخۂ ویران'' کا صحت نامہ ملتا ہے جو بہت سے نسخوں میں نہیں ملتا اور دوسرے ضمیمے میں وہ تمام تبدیلیاں پیش کی گئی ہیں جو مسوّدہ دیوانِ ذوق (مرتبہ: آزاد) میں ملتی ہیں۔ اشاریہ کے تحت، شخصیات، اداروں، مقامات، کتب، رسائل و اخبارات کا اشاریہ مرتب کیا گیا ہے جس کا تعلق مقدمے کے ساتھ ہے مقامات اور لفظیات کا اشاریہ موجود ہے، نیز ہندی لفظیات کا اشاریہ بھی ہے۔ آخر میں متفرقات کا اشاریہ دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کا یہ کام، یعنی ''کلیاتِ ذوق'' کی ترتیب بلا شبہ ایسا کام ہے جسے ہم اصولِ تحقیق اور تدوین کے اصولوں کی روشنی میں اعلیٰ درجے کا کام کہہ سکتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی:

۱۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر: ''اصولِ تحقیق و ترتیبِ متن''، دہلی: شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، طبع اوّل: ۱۹۷۷ء، ص: ۴۲۔

۲۔ مالک رام: ''تبصرہ دیوان غالب''، مطبوعہ ''نقوش''، لاہور: نومبر ۱۹۶۴ء، ص: ۱۷۳۔

۳۔ خلیق انجم: ''متنی تنقید''، دہلی: خرام پبلیکشنز، طبع اوّل: ۱۹۶۷ء، ص ۴۶، ۴۷

۴۔ ''کلیاتِ ذوق'' (تین جلدیں) مرتبہ: تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، (پاکستانی ایڈیشن) لاہور: مجلسِ ترقی ادب، طبع اول: جنوری ۱۹۶۷ء۔

☆☆☆